حُسنِ تعلیل: ؎ آخر کو ہو کے لالہ اُگا نوبہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا

صنعتِ تضاد: ؎ یارانِ گرم رو تو سب آگے نکل گئے
ان سے میں ننگِ قافلہ پیچھے کہیں رہا

☆☆☆

مرزا اسد اللہ خاں غالب ——— (1797ء-1869ء)

شاعر کا تعارف:

اسد اللہ خاں غالبؔ عرف نوشہ، پہلے اسد تخلص کیا پھر غالبؔ اختیار کیا۔ ان کے آباؤ اجداد قوم کے ترک تھے جن کی نسل سے مغل پیدا ہوئے مرزا غالب کے زمانے تک مغل بھی اپنے آپ کو خان ہی لکھتے اور کہلواتے تھے۔ ذوقؔ کے بعد غالبؔ بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد مقرر ہوئے۔ اردو زبان کے جن شاعروں کی عظمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ اور علامہ محمد اقبالؒ ہیں۔ غالبؔ کے ایک مشہور نقاد ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری نے کہا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس اور دیوانِ غالب۔ وید مقدس ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے۔ اسی مناسبت سے گویا دیوانِ غالب کو شاعری کی نہایت عظیم کتاب قرار دیا گیا ہے۔ عبدالرحمان بجنوری ان کی شاعری میں تنوع کے قائل ہیں۔ شیخ محمد اکرام 'انسانیت' کے حامی ظرافت کے۔ اصل بات یہ ہے کہ غالبؔ سوچنے اور کہنے کی جرأت رکھتے ہیں۔ غالبؔ نے کسی نئی صنفِ سخن کی بنیاد نہیں ڈالی، نہ کوئی نیا موضوع اُردو شاعری کو دیا ہے۔ انہوں نے جو تصرفات کیے وہ معنوی ہیں، انہوں نے شعر و شاعری کی اندرونی دنیا میں انقلاب برپا کیا ہے۔ ان کی خطوط نگاری نے جدید اُردو نثر کی بنیاد ڈالی۔

غالبؔ کا ابتدائی کلام فارسیت زدہ ہے، مگر بعد میں یہ روش ترک کر دی اور سادہ و سلیس انداز میں شعر کہنا شروع کیے۔ غالبؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کے مرنے کے بعد کیا گیا۔

خصوصیاتِ کلام میں جدت و ندرت، فکر و فلسفہ، رجائیت پسندی، پہلوداری، آفاقی لہجہ، طنز و مزاح، حسن و عشق، خلوص، آزادیِ رائے، خود اعتمادی، زندگی گزارنے کا حوصلہ اور زندگی کا عرفان نمایاں ہے۔

1۔ غزل ——— مرزا اسد اللہ خاں غالب

شعر 1: بس کہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ بس کہ : چونکہ ○ دُشوار : مشکل

مفہوم: آسان سے آسان کام بھی مشکل ہوتا ہے۔ ہر آدمی انسانیت کے رُتبے پر فائز نہیں ہوتا۔

تشریح: غزل کے مطلع میں غالبؔ نے ایک اچھوتا اور نرالا خیال پیش کیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کام کتنا ہی

آسان کیوں نہ ہو۔ وہ انتہائی مشکل ہوتا ہے، جب تک اس کے لیے کوشش نہ کی جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے آدمی اور انسان کے سراپا میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن اگر انسانیت موجود نہ ہو تو آدمی انسان نہیں بنتا۔ اکثر لوگ حیوانوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انسانیت نام کی کوئی چیز ان میں نہیں ہوتی۔ مولانا روم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''چراغ لے کر تمام شہر میں پھرا کوئی انسان نظر نہ آیا۔'' ہمارے اردگرد لوگوں کی بڑی بھیڑ ہے، چہل پہل ہے، شہر آباد ہیں لیکن یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ ان میں، محبت احترام، احساس اور باہمی تعلق نام کا کوئی عمل نہیں ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن، دوست دوست کی عزت کا لٹیرا ہے۔ انسان تو انسانیت کی خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات عطا فرما کر دنیا میں بھیجا ہے لیکن انسان اب درندہ بن کر رہ گیا:

ے آہ یہ انسانوں کی بستی آہ کہاں انسان

چلتے پھرتے سایوں سے ہیں بام و در آباد

مولانا الطاف حسین حالی نے اس شعر کی یوں تشریح کی ہے:

''بادی النظر میں (بظاہر دیکھنے میں) یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو بالکل اچھوتا خیال ہے دعویٰ یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہے اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے۔ اس کا بھی انسان بننا مشکل ہے۔''

ے فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا

مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

شعر 2: **وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو**

آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **وائے:** افسوس، (کلمہ تاسف) ایسا کلمہ جو اظہارِ مصیبت یا رنج والم کے موقع پر زبان پر آجاتا ہے ○ **دیوانگیٔ شوق:** عشق کا سودا۔

مفہوم: میں اپنے عشق پر افسوس کا اظہار کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں؟ جو ہر وقت مجھے مجبور کر کے محبوب کی طرف لے جاتا ہے۔ وہاں جا کر میں سراپا حیران ہو جاتا ہوں۔

تشریح: غالب اپنے اِس شعر میں اپنے عشق سے پیدا ہونے والی بے قراری اور دیوانگی کا ذکر کرتے ہیں کہ عشق مجھے مجبور کر کے بار بار محبوب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں عشق مراد لیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں عاشق کے دِل میں ایک ہی جذبہ رہ جاتا ہے کہ محبوب کے گلی کوچے کی طرف جائے اور محبوب کا دیدار کرے، اُسے دنیا کے اور بھی بہت سے کام ہوتے ہیں لیکن اُس کے قدم اسے غیر ارادی طور پر خود بخود محبوب کی طرف لے جاتے ہیں، جب وہاں پہنچتا ہے تو ذرا ہوش میں آنے کے بعد اپنے آپ کو محبوب

کے پاس پا کر حیران ہوتا ہے کہ میں تو کہیں اور جانے کو گھر سے نکلا تھا۔ یہاں کیسے پہنچ گیا؟ حیرانی کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ محبوب کے بے پناہ حُسن کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

مولانا حالی نے اسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''مقامِ حیرت'' قرار دیا ہے۔ محبوب کا جلوہ دیکھ کر عاشق ساقط و جامد ہو کر رہ جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو دیکھ کر سمندر بھی حیرانی سے کھڑا ہے۔

؎ حیران ہے کس کا جو سمندر
مدت سے رُکا ہوا کھڑا ہے

شعر 3: عشرتِ قتل گہ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **عشرت:** خوشی، شادمانی، عیش ○ **قتل گہ:** وہ جگہ جہاں قتل کیا جاتا ہے۔ مقتل ○ **اہلِ تمنا:** اہلِ عشق، جنہیں محبوب پر قربان ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے ○ **عیدِ نظارہ:** نگاہ کی عید یعنی انتہائی خوشی اور شادمانی کا نظارہ ○ **شمشیر کا عریاں ہونا:** تلوار کو میان سے نکالنا

مفہوم: اہلِ تمنا یا عاشقوں کو مقتل میں پہنچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے، جب ان کا سَر قلم کرنے کو تلوار میان سے نکالی جاتی ہے۔ تو اِن کے لیے وہ تلوار عید کا چاند بن جاتی ہے۔

تشریح: عام لوگوں کو موت سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ وہ ہر اُس مقام سے دُور بھاگتے ہیں، جہاں انہیں یہ احتمال ہو کہ اِدھر جانے سے ان کو قتل کر دیا جائے گا یا وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے لیکن عاشق لوگ جنہیں اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کی بے حد تمنا ہوتی ہے۔ وہ بڑی محبت اور شوق سے مقتل کی طرف جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں:

؎ جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

چنانچہ محبوب پر قربان ہونے کے لیے جب میان سے تلوار نکالی جاتی ہے اور قتل کرنے کے لیے جب اسے بلند کیا جاتا ہے تو عاشق کی نظر کے لیے وہی منظر پیدا ہو جاتا ہے جو عام لوگوں کے لیے عید کا منظر ہوتا ہے۔ عاشق کے لیے تلوار تلوار نہیں رہتی بلکہ عید کا چاند بن جاتی ہے۔ چاند اور عریاں تلوار کے خم میں مشابہت ہے۔ محبوب کے ہاتھ سے قتل ہونے کو عاشق لوگ عشق کی معراج سمجھتے ہیں۔ محبوب پر قربان ہونا عاشق کے لیے باعثِ سعادت ہے۔ اس لیے محبوب کی تلوار کے نیام سے نکلنے کا مطلب عید کا چاند طلوع ہونا ہے۔ محبوب کی راہ میں قتل ہونا، محبوب سے ملاقات کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اللہ کی راہ میں شہید ہونا خوشی سے قبول کیا۔ غازی علم الدین شہید کا ناموسِ رسالتؐ پر قربان ہونا ان کے لیے عید سے کم نہیں تھا۔

عشق مجازی میں بھی جب محبوب تیغ بکف، رقیب کی طرف جا رہا ہو تو عاشق کی غیرت جوش میں آتی ہے

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

شعر 4: لے گئے خاک میں ہم داغ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بہ صد رنگِ گلستاں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **داغ تمنائے نشاط:** خوشی کی تمنا پوری نہ ہونے کا داغ ○ **بہ صد رنگ گلستاں ہونا:** باغ کی طرح سوسو رنگوں میں نکھرنا' یعنی سوسو طرح سے خوش ہونا' باغ باغ ہونا اور شاد کام ہونا ○ **گلستاں ہونا:** بے پناہ خوش ہونا۔

مفہوم: اے محبوب! ہم تو خوشی حاصل کیے بغیر اس کا داغ دِل پر سجا کر قبر میں جا سوئے ہیں۔ اب تو جس طرح مرضی ہے خوش ہو۔ ایک باغ کی طرح خوشی کے سو رنگ پھولوں سے اپنے دِل کو سجا۔

تشریح: اُردو شاعری کا روایتی عاشق اپنے محبوب سے کبھی شاد کام نہیں ہوا۔ روایتی محبوب اپنے عاشق کی تمنا پوری نہیں کرتا۔ عاشق کو ہمیشہ اس سے شکایت ہی رہی۔ عاشق محبوب پر سو طرح سے جان دیتا ہے مگر مرتے دم تک محبوب اپنا دیدار کروانا بھی پسند نہیں کرتا۔ محبوب نے عاشق کے دِلی جذبات کی قدر نہ کی اور اسے ناخوش اور نامراد ہی رکھا۔ اب عاشق یہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے محبوب! ہم تو ساری عمر نامراد ہی رہے ہماری کوئی ایسی خواہش اور تمنا پوری نہ ہوئی جس کا تعلق تمہاری ذات سے تھا۔ ہم اپنی ہر آرزو کے پورا نہ ہونے کا داغ لے کر قبر میں جا سوئے ہیں۔ اب تمہارے سامنے میری کوئی خواہش اور تمنا نہ ہوگی جس کے پورا ہونے میں مجھے تو خوشی ہو اور تو رنجیدہ ہو چونکہ میری ہر تمنا تمہیں رنجیدہ کرتی ہے۔ اب جبکہ میں اس دُنیا میں نہیں ہوں تو تم جس طرح چاہے اپنے آپ کو خوش کرو' باغ باغ ہو جاؤ۔

شعر 5: عشرت پارۂ دل' زخم تمنا کھانا
لذت ریشِ جگر' غرقِ نمکداں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **عشرت:** عیش ونشاط' خوشی' شادمانی' مسرت ○ **پارۂ دل:** دِل کا ٹکڑا مراد ہے دِل ○ **زخم تمنا کھانا:** آرزو پوری نہ ہونے کا زخم' ناکامی کی اذیت برداشت کرنا ○ **لذت ریشِ جگر:** جگر کے زخم کا مزا ○ **غرقِ نمکداں ہونا:** نمکدان میں ڈالنا' یعنی زخم پر خوب نمک چھڑکنا۔

مفہوم: دِل کے ٹکڑے کی خوشی یہ ہے کہ اس پر تمنا کے زخم لگتے رہیں اور جگر کے زخم کو مزا تب ملتا ہے جب اس پر خوب نمک چھڑک دیا جائے۔

تشریح: عشق ومحبت بڑی نرالی کیفیت کا نام ہے۔ غالبؔ نے ایک عاشقِ صادق کے دِل وجگر پر لگنے والے زخموں اور اِن زخموں سے پیدا ہونے والی لذت کو موضوع بنایا ہے۔ زخم ہر شخص کے لیے دُکھ' درد اور کرب کا باعث ہوتا ہے۔ کسی بھی زخم پر اگر نمک چھڑکا جائے تو تکلیف میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے لیکن جب زخم مسلسل

ہرا رہے؛ ٹھیک ہونے میں نہ آئے تو عاشق اس میں بھی لذت محسوس کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ جب زخم ٹھیک ہونے لگے اور زخم پر انگور آ جائے تو آدمی اُسے بھی کُریدنے میں مزا محسوس کرتا ہے۔ خاص طور پر ایک عاشق عالم دیوانگی میں اپنے جسم پر زخم کر لیتا ہے۔ وہ جس کی یاد میں زخم کرتا ہے اس زخم کو اِس کی عطا سمجھتا ہے۔ اس لیے اسے اس زخم سے بھی بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ اس زخم کو مندمل نہیں ہونے دیتا۔ غالبؔ ہی کا ایک اور شعر ہے:

ے دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

عشق دراصل آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے اور عشق کے لگائے زخموں سے لذت حاصل کرنے کے لیے جس ذوق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے برداشت کرنے اور لذت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ایک لمبی عمر درکار ہوتی ہے۔

حضرتِ بلالؓ، حضرتِ اویسؓ قرنی اور غزوات کے غازیوں کو عشق کے اِن زخموں سے جو لذت حاصل ہوئی، شہدا کو جو زخم لگے اور شہادت کے وقت دیدارِ الٰہی نصیب ہوا۔ اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے محنت اور تربیت پانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا حالیؔ کہتے ہیں:

ے اِک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

شعر 6: کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جفا:** ظلم و ستم، جور ○ **زود پشیماں:** بہت جلد پچھتانے والا۔

مفہوم: محبوب نے مجھے قتل کرنے کے بعد جفا سے توبہ کر لی، مجھے مار ڈالنے کے بعد اُس نے ظلم ڈھانے سے توبہ کی، ہائے اس نے کتنی جلدی توبہ کی۔

تشریح: غالبؔ نے اِس شعر میں محبوب کی ستم شعاریوں کا ذکر کر کے اور عاشق کو جان سے مار ڈالنے کے بعد توبہ کرنے کا ذکر کر کے دو باتوں کا اظہار کیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ محبوب کے ظلم و ستم کے سلسلے میری ذات تک محدود تھے۔ اس نے زندگی بھر مجھے مشقِ ستم کا نشانہ بنایا میں تو ثابت قدم رہا۔ اپنی بے پناہ وفاداری کا ثبوت پیش کیا اس نے قتل کرنا چاہا میں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ میرے قتل کے بعد اس نے جفا کرنے سے توبہ کر لی۔ یہاں غالبؔ طنزاً کہہ رہے ہیں کہ دیکھو اِس نے کس قدر جلد توبہ کی کہ جب میں ہی اس دنیا میں نہ رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ جفا جاری رکھتا تو میرے مرنے کے بعد رقیبوں کی باری آتی تھی۔ مَیں تو وفا میں پورا اترا البتہ رقیبوں کی وفاداری کی آزمائش نہ ہو سکے گی۔ عاشق تو محبوب کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا اور اپنی جان دے دی۔ اب رقیبوں پر محبوب کے لطف و کرم اور عنایتوں کی بارش ہوگی۔ حالانکہ ان کا صرف عاشق حقدار تھا۔

شعر میں محبوب کے ''زود پشیماں'' ہونے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جس کا عاشق کو فائدہ نہیں پہنچا۔ بقول مومن:

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

شعر 7: **حیف اُس چارگرہ کپڑے کی قسمت، غالبؔ**
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **حیف:** افسوس ○ **گریباں:** لباس کا وہ حصہ جو گلے سے شروع ہو کر نیچے لٹکتا رہتا ہے

مفہوم: وہ چارگرہ کپڑا جس سے عاشق کا گریبان بنایا گیا ہو۔ اس کی قسمت پر افسوس ہے کہ وہ بار بار پھاڑا جاتا رہے گا۔ سلامت نہیں رہے گا۔

تشریح: لمبائی کے موجودہ پیمانے میں ایک چوتھائی میٹر سے بھی کم وہ کپڑا جس سے کسی عاشق کا گریبان بنایا جائے۔ اُس کی قسمت پر غالب افسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عاشق اپنا گریبان کبھی سلامت نہیں رہنے دیتا۔ عشق اختیار کرنے والے کو اپنے ماحول بلکہ اپنے وجود میں بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ وہ اس گھٹن سے نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ کسی پابندی کو برداشت نہیں کرتا۔ اس گھٹن سے نجات پانے کا اسے ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنا گریباں چاک چاک کرتا رہتا ہے۔ چارہ گر بے شک عمر بھر رفو کرتے رہیں لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق نے گریبان کو تارتار کرتے ہی رہنا ہے۔ غالبؔ کو اسی چارگرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہے کہ وہ جسم ڈھانپنے کے کام نہیں آ سکتا۔ مہذب لوگ اپنا سینہ بھی ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ اس پر بٹن لگاتے ہیں لیکن عاشق تہذیب کی اس روش اور پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ اپنا گریبان سلامت نہیں رہنے دیتا یہی اُس کی عشق کے علامت بنتا ہے۔ اس عشق کی علامت کی نذر تو وہ کپڑا ہی ہوگا جس سے عاشق کا گریبان بنایا جائے گا۔

2۔ غزل ——— مرزا اسداللہ خاں غالب

شعر 1: **کسی کو دے کے دِل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو**
نہ ہو جب دِل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **دل دینا:** عاشق ہونا، محبت ہونا، دل آنا ○ **نواسنج فغاں:** فریاد کرنے والا۔

مفہوم: جب کسی کو دِل دے دیا جائے تو اس کے نتیجے میں پیش آنے والی مصیبتوں کی شکایت کرنے کا کیا مطلب؟ دِل دینے کے بعد آہ وفغاں کرنا بے معنی ہے۔

تشریح: غالبؔ غزل کے اِس مطلع میں ایک عاشق کی بنیادی خصوصیات میں سے صبر وضبط کی شرط کا ذکر کرتے ہیں کہ عاشق کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات، مصائب اور آلام کا مقابلہ صبر وضبط سے کرے۔ عاشق کے پہلو میں اس کا دِل موجود نہیں کیونکہ وہ تو اِس نے محبوب کو دے دیا ہے۔ دِل موجود نہ ہو تو پھر دُکھ درد کا